۴۴

روزہ رکھنے کی بلوغت

(فرمودہ ۹ / مارچ ۱۹۲۸ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

روزوں کے متعلق ایک سوال مجھے لکھ کر دیا گیا ہے۔ میں اس کے متعلق آج کے خطبہ جمعہ میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس سوال کے متعلق پہلے بھی دو خطبے پڑھ چکا ہوں۔ ایک دفعہ تو روزوں کے متعلق جو میرا خیال ہے وہ بیان کیا تھا۔ پھر اس خیال کے متعلق یہی سوال جواب کیا گیا ہے پوچھا گیا تو اس کا میں نے جواب دیا تھا لیکن جن صاحب کی طرف سے اب سوال کیا گیا ہے وہ اس وقت یہاں نہ تھے بعد میں آئے ہیں اور یوں بھی بڑھنے والی جماعت میں چونکہ نئے نئے آدمی داخل ہوتے رہتے ہیں اس لئے متواتر بعض باتوں کو دہرانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں بعض باتیں ایسی ضروری ہیں جنہیں کچھ کچھ عرصہ کے بعد دہراتے رہنا چاہئے۔ لیکن چونکہ ہم ان کا دہرانا بھول جاتے ہیں اس لئے نقص پیدا ہونے لگ جاتا ہے۔ پس جو خطبہ میں بیان کرنے لگا ہوں وہ دوبارہ سننے والوں کے لئے بھی مفید ہوگا اور نئے آنے والوں کے لئے بھی اس لئے بیان کرتا ہوں۔

وہ مسئلہ جو میں نے بیان کیا تھا یہ تھا کہ روزوں کے بارہ میں ہمارے ملک میں بہت سختی اور تشدد سے کام لیا جاتا ہے جو شریعت کا منشاء نہیں معلوم ہوتا۔ ایسی ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں کہ چھوٹے بچوں سے روزے رکھوائے گئے اور انہیں ایسی حالت میں ڈال دیا گیا کہ بعض دفعہ تو بچہ کی جان ہی گئی۔ میں نے بعض دوستوں سے سنا ہے اور میرا خیال ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سے سنا ہے مگر ممکن ہے ان سے نہ سنا ہو کسی اور سے سنا ہو کہ کسی گھر والوں نے اپنے چھوٹی عمر کے بچہ سے روزہ رکھوایا۔ اور جیسا کہ اس ملک کا دستور ہے کہ ایسے موقع پر لوگوں کو

جمع کر لیتے ہیں۔ انہوں نے بھی اپنے رشتہ داروں اور دوسروں کو جمع کیا' کھانے تیار کئے گئے اور ضیافت کی خوب تیاریاں کی گئیں۔ بچہ میں چونکہ روزہ رکھنے کی طاقت نہ تھی ایک تو اس کی عمر چھوٹی تھی دوسرے صحت بھی اچھی نہ تھی نتیجہ یہ ہوا کہ دن ڈھلتے تک بچہ بھوک اور پیاس سے بے تاب ہو گیا کچھ دیر تو گھر والے اسے دلا سا دیتے رہے مگر جب وہ تکلیف سے مجبور ہو گیا۔ تو پاگلوں کی طرح دوڑ کر پانی کے گھڑے کی طرف جانے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر ماں باپ ہر بار اسے روک دیتے اس لئے کہ اگر اس نے روزہ توڑ دیا تو رشتہ دار وغیرہ افطاری کی خوشی منانے کے لئے جمع ہیں ان کی خوشی میں فرق آئے گا اور پھر اس لئے بھی کہ جہلاء کا خیال ہے کہ روزہ رکھ کر توڑنا منع ہے خواہ جان ہی چلی جائے۔ غرض بچہ کو پانی پینے سے وہ روکتے رہے۔ آخر گرتا پڑتا ایک دفعہ گھڑے کے پاس پہنچ ہی گیا مگر اس وقت اس کی جان نکل چکی تھی۔ اس طرح وہی رشتہ دار اور مہمان جو خوشی منانے کے لئے جمع ہوئے تھے اس کے ماتم میں شریک ہوئے۔

بے شک ایسے واقعات شاذو نادر ہوتے ہیں مگر یہ انتہائی نتیجہ ہے اور ضروری نہیں کہ ہر بار انتہائی نتیجہ ہی نکلے۔ اب یہاں تک ثابت ہو چکا ہے کہ ساٹھ ساٹھ دن تک فاقہ کیا گیا ہے۔ جیل خانوں وغیرہ میں بعض مجرم اس لئے کھانا پینا چھوڑ دیتے ہیں کہ ان سے اچھا سلوک نہیں کیا جاتا۔ اس طرح فاقہ کرنے والے ساٹھ ساٹھ دن تک زندہ رہے ہیں۔ بے شک ایسے لوگوں کو آخری ایام میں مالش وغیرہ کی جاتی رہی ہے تاکہ اس طرح ان کے جسم میں غذا پہنچے مگر اس طرح اور معدہ میں خوراک پہنچانے میں بڑا فرق ہے۔

پھر ذیابیطس کے بیماروں کو چالیس چالیس دن کا فاقہ کرایا جاتا ہے۔ صرف جَو کے پانی کا گھونٹ دیا جاتا ہے۔ اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ چھ سات دن تک تو فاقہ کرنے سے انسان مر نہیں سکتا مگر کوئی پسند نہ کرے گا کہ اس طرح فاقہ کر کے اپنی صحت خراب کرلے۔

کام وہی اچھا ہوتا ہے جس کا نتیجہ اچھا ہو میں نے بتایا تھا کہ مسلمانوں میں ایک غلطی پیدا ہو گئی تھی اور اس قسم کی غلطیاں اسی وقت پیدا ہوتی ہیں جب کسی قوم میں تنزل شروع ہو۔ غلطی یہ پیدا ہو گئی تھی کہ بلوغت کے معنے غلط سمجھے گئے تھے۔ میں نے اپنے خطبہ میں اس بات پر زور دیا تھا کہ ہر بات کے لئے علیحدہ بلوغت ہوتی ہے۔ لوگوں نے بلوغت یہ سمجھ رکھی ہے کہ وہ مادہ جس سے ولادت ہوتی ہے جب پیدا ہو جائے تو بچہ بالغ ہو جاتا ہے۔ یہ مادہ ہمارے ملک کے لحاظ سے بارہ' تیرہ' چودہ سال کی عمر میں پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض اور ممالک ہیں جہاں دس گیارہ سال

کی عمر میں بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ چاہے وہ کیڑا پیدا نہ ہو جو اس مادہ میں ولادت کا ذریعہ بنتا ہے مگر مادہ گیارہ' بارہ سال کی عمر میں بھی پیدا ہو جاتا ہے اور عام حالت یہ ہے کہ بارہ' تیرہ' چودہ سال میں مادہ پیدا ہوتا ہے سوائے اس کے کہ کوئی شخص بیمار ہو اور اس کی صحت اچھی نہ ہو۔ اس مادہ کے پیدا ہونے کی عمر کو بلوغت کی عمر کہا گیا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ جب یہ مادہ پیدا ہوتا ہے تو عقل انسانی ایک حد کمال تک پہنچتی ہے اس وقت بچہ کے حالات اور شکل سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں مردانگی کی باتیں پیدا ہو گئی ہیں اور اس سے عقل میں تکمیل ہوتی ہے۔ وجہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے عقل کی پرورش کا ایک ذریعہ اس مادہ کو بھی بنایا ہے۔ اس سے کچھ رطوبتیں جذب ہو کر دماغ اور عقل تک پہنچتی ہیں اور اس کی پرورش ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے احکام شریعت اس حد سے وابستہ ہیں بلکہ جن باتوں میں عقل اور سمجھ کی ضرورت ہے وہ ساری کی ساری اسی سے وابستہ ہیں۔ مثلاً نماز ہے اس میں زور اور طاقت کا دخل نہیں بلکہ عقل سے تعلق رکھتی ہے اس لئے ایسے بالغ پر فرض کی جاتی ہے۔ اسی طرح بڑوں کا ادب یا اور باتیں جو عقل سے تعلق رکھتی ہیں محنت اور زور کی ان میں ضرورت نہیں ہوتی وہ اس بلوغت پر فرض ہو جاتی ہیں۔ یعنی جب کوئی بارہ' تیرہ' چودہ سال کا ہو جائے گا۔ اور مردی کی بلوغت پر پہنچ جائے گا تو اس وقت وہ احکام اس پر عائد ہو جائیں گے جو عقل سے تعلق رکھتے ہیں۔ یوں تو پہلے بھی اس میں سمجھ اور عقل تھی مگر چونکہ اس کی عقل کامل نہ تھی اس لئے شریعت کے ان احکام پر نہ چلنا اس کے لئے گناہ نہ تھا مگر اس بلوغت کے بعد گناہ ہو گا۔ کچھ نہ کچھ زنگ تو پہلے بھی لگے گا مگر شرعی طور پر گناہ لازم نہیں آئے گا۔ لیکن بعض ایسے احکام ہیں جن سے عقل کا تعلق نہیں بلکہ عادت کا تعلق ہے وہ اس بلوغت سے پہلے ہی ضروری ہو جاتے ہیں۔ مثلاً دائیں ہاتھ سے کھانا ہے۔ اس کے لئے کوئی ماں باپ انتظار نہ کرے گا کہ بچہ بالغ ہو لے تو اسے دائیں ہاتھ سے کھانے کے لئے کہا جائے۔ دائیں ہاتھ سے کھانا بھی شریعت کا حکم ہے اور یہ عام حکم ہے کہ شریعت کے احکام بلوغت کے بعد عائد ہوتے ہیں لیکن اس حکم پر بچپن میں ہی عمل کرایا جاتا ہے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے کُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ [1] اپنے نواسے کو اس وقت فرمایا جب کہ اس کی عمر دو اڑھائی سال کی تھی کہ بچے اپنے داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔ چونکہ یہ کوئی ایسا حکم نہیں ہے جس کے لئے عقل کی پختگی کی ضرورت ہو یہ عادت سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اس پر عمل کرنا رسول کریم ﷺ

نے بچپن سے سکھایا- پھر بعض احکام ایسے ہیں جو اس سے بھی پہلے سکھانے ضروری ہوتے ہیں- مثلاً گندگی سے بچنا ہے- اس کے لئے جب بچہ پیدا ہو اسی وقت سے ایسے طریق پر رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ وہ گندگی سے بچے- چنانچہ جو عورتیں ہوشیار ہوتی ہیں وہ بچوں کو ایسی عادت ڈال دیتی ہیں کہ مقررہ وقت پر پاخانہ کرتے ہیں اور پاخانہ کے برتن میں کرتے ہیں فرش وغیرہ پر بیٹھے نہیں کرتے- یہ بات ہفتوں اور مہینوں کا بچہ سیکھ سکتا ہے- اب اگر کوئی پوچھے صفائی کے احکام کب سکھانے چاہئیں تو ہم کہیں گے دو تین ہفتہ کی عمر میں یا زیادہ چالیس دن میں بچہ اس کے لئے بالغ ہو جاتا ہے- اور کوئی کہے زبانی تربیت کے احکام سکھانے کے لئے بلوغت کیا ہے تو ہم کہیں گے دو اڑہائی سال- اسی طرح سچ بولنا عادت سے تعلق رکھتا ہے- اس کی فلسفیانہ خوبیاں تو پندرہ سولہ سال کی عمر کا بچہ نہیں سمجھ سکتا- اب اگر کوئی پوچھے سچ بولنا کب سکھانا چاہئے تو ہم کہیں گے اڑہائی تین سال کی عمر سے سکھانا چاہئے- اسی طرح ننگا رہنا ہے- کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ جب بچہ تیرہ' چودہ سال کا ہو گا تب اسے کہیں گے کہ لنگوٹی باندھے یا پاجامہ پہنے- دو اڑہائی سال سے ہی اسے بتایا جاتا ہے کہ ننگا نہیں رہنا چاہئے-

پس بلوغتیں کئی ہیں بعض بچپن میں ہوتی ہیں- بعض چلہ میں ہی اور بعض بارہ' تیرہ سال میں- بعض اس سے زیادہ عمر میں- دیکھو شریعت میں یہ تو آیا ہے کہ جب بچہ بارہ سال کا ہو جائے تو سختی سے بھی اسے نماز پڑھاؤ مگر جہاد اس عمر میں فرض نہیں کیا گیا حتیٰ کہ ایک دفعہ ایک پندرہ سالہ لڑکے نے خود جہاد میں شریک ہونے کی درخواست کی لیکن رسول کریم ﷺ نے انکار کر دیا کیونکہ اس کے لئے اور بلوغت کی ضرورت تھی-

اسی طرح روزہ ایسا حکم ہے جس کے لئے جسمانی قربانی کرنی پڑتی ہے- انسان کی چربی پگھلتی ہے اس لئے جب تک وہ زمانہ نہ آجائے جو جسمانی نشوونما کے لئے ضروری ہے روزہ فرض نہیں ہوتا- اور اگر بچے اس بلوغت پر پہنچنے سے پہلے روزہ رکھیں تو اس طرح قومی طور پر نقصان پہنچتا ہے کیونکہ بچپن میں چربی پگھل جانے سے صحت خراب ہو جاتی ہے اور پھر ایسا انسان کوئی کام نہیں کر سکتا- ہمارے ہاں سترہ' اٹھارہ سال کی عمر تک بچے عام طور پر نشوونما پاتے ہیں کوئی شاذ ہی ہوتا ہے جو اس سے پہلے جسمانی نشوونما پالے- جو علاقے زیادہ گرم ہیں یا جو بدوی علاقے ہیں شہری نہیں وہاں پندرہ' سولہ سال میں بلکہ چودہ سال میں بھی نشوونما پوری ہو جاتی ہے- پس مختلف ملکوں کی مختلف بلوغتیں ہیں- جب اس بلوغت کو کوئی بچہ پہنچ جائے تب اس کے لئے

روزہ فرض ہو گا مگر اس سے پہلے بھی کبھی کبھار روزے رکھوانے چاہئیں- جیسے نماز بارہ سال کی عمر تک عادت کے طور پر پڑھائی جاتی ہے فرض کے طور پر نہیں- اسی طرح روزہ کی بلوغت تک پہنچنے سے قبل تھوڑے تھوڑے روزے رکھوانے چاہئیں تاکہ مشق ہو لیکن اگر سارے روزے رکھوائے جائیں گے تو صحت خراب ہو جائے گی- جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ بڑی عمر میں جب وہ روزے رکھنے کے قابل ہو گا روزے نہیں رکھ سکے گا اور روزے رکھنے کی عمر تک پہنچنے سے قبل ہی ناکارہ ہو جائے گا- دراصل بچہ کے لئے سترہ' اٹھارہ سال تک کی عمر نشوونما کا زمانہ ہوتا ہے- اگر کوئی یہ خیال کرے کہ اتنی عمر کا لڑکا روزے رکھ کر روحانیت میں ترقی کرے گا تو یہ صحیح نہیں ہے- عام حالات کو مدنظر رکھ کر بیس' اکیس سال کی عمر میں ایسا زمانہ آتا ہے ہاں استثناء کی صورتوں میں اس سے پہلے بھی یہ بات حاصل ہو جاتی ہے- مجھے اپنے متعلق یاد ہے کہ میری گیارہ سال کی عمر تھی اس وقت میں نماز کبھی کبھی نہ پڑھتا تھا اور شرعاً مجھ پر فرض نہ تھی- مگر مجھے یاد ہے ایک دفعہ میں نے حضرت صاحب کا جبہ تبرک کے طور پر پہن کر دعا کی کہ اب میں کبھی نماز نہ چھوڑوں گا مجھے یہ توفیق حاصل ہو- چنانچہ پھر کبھی نہ چھوڑی مگر یہ خاص حالات کی وجہ سے تھا- ہر وقت دین کی باتیں کان میں پڑتی رہتی تھیں گھر اور باہر دین کا ہی چرچا تھا مگر عام طور پر بیس' اکیس سال میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے- جائداد کے متعلق بلوغت جو رکھی گئی ہے وہ بھی اٹھارہ سال کے بعد کی ہے بارہ' تیرہ سال کے لڑکے کے سپرد جائداد نہیں کر دی جاتی اور کہا جاتا ہے جائداد کے متعلق بلوغت اور ہے- اسی طرح روزہ کی بلوغت بھی اور ہے اس کی اوسط اٹھارہ سال ہے جو سولہ سال سے شروع ہوتی ہے اور اٹھارہ سال تک مکمل ہو جاتی ہے- انیس سال کا لڑکا پورے روزے رکھ سکتا ہے- اس وقت ساٹھ فیصدی یہ خطرہ نہیں ہو گا کہ صحت کو نقصان پہنچے باقی چالیس فیصدی رہ جاتے ہیں- انہیں چاہئے اپنی صحت کے متعلق خود فیصلہ کریں اور ان کے ماں باپ فیصلہ کریں اور پھر روزے رکھیں-

رقعہ لکھنے والے صاحب نے لکھا ہے میں نے دیکھا ہے ہٹے کٹے اور مضبوط نوجوان روزے نہیں رکھتے مگر بچپن کی عمر کا ہٹا کٹا ہونا کافی نہیں ہوتا اس سے نشوونما کے پورے ہونے کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا- دیکھا گیا ہے کہ سترہ' اٹھارہ سال کے مضبوط جوان مقابلہ میں اکیس' بائیس سال کے جوانوں سے جو جسمانی لحاظ سے ان سے آدھے تھے جیت گئے- پہلے پہل تو انہوں نے دوسروں کو خوب پیٹا مگر پھر کمزور ہونے لگ گئے اور آخر ہار گئے- وجہ یہ ہے کہ ان

کی طاقتیں ابھی نشوونما پا رہی تھیں اور ان سے بڑی عمر والوں کی طاقتیں ایک حد تک مکمل ہو چکی تھیں۔ یہ تجربہ باکسنگ میں کیا گیا ہے۔ دراصل یہ زمانہ چربی پیدا ہونے کا زمانہ ہوتا ہے اور قدرت انسانی جسم میں ہر ایک چیز اپنے اپنے ٹھکانے لگا رہی ہوتی ہے اور اس طرح ذخیرہ جمع کر رہی ہوتی ہے۔ اس وقت اگر نقصان پہنچ جائے تو اس کا اثر ساری عمر پر پڑتا ہے۔

پس چودہ' پندرہ سال کی عمر سے بلکہ بارہ سال کی عمر سے کچھ کچھ روزے رکھوانے شروع کر دینے چاہئیں۔ اس طرح روزہ رکھنے کا احساس پیدا ہوتا رہے گا اور پھر ہر سال اس تعداد کو بڑھاتے جانا چاہئے۔ یہاں تک کہ قوتیں پوری نشوونما پالیں پھر پورے روزے رکھوائے جائیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص مضبوط اور ہٹا کٹا نظر آئے مگر اس کی صحت اچھی نہ ہو اور اسے ایسا عارضہ لاحق ہو جسے وہ خود ہی سمجھ سکتا ہے۔ مثلاً اس کا دل کمزور ہو تو خواہ اس کا جسم دوسرے سے ڈیوڑھا ہو اور قد چھ فٹ ہو تو بھی صحت کے لحاظ سے اس سے کمزور ہوگا۔ مگر اس کی کیفیت وہ خود جان سکتا ہے یا ڈاکٹر جان سکتا ہے۔ اسی طرح اور کئی مرضیں ہوتی ہیں جن میں روزہ رکھنا سخت مضر ہے مگر وہ دیکھنے والوں کو نظر نہیں آسکتیں۔ پس ان حالات میں وعظ و نصیحت کی جاسکتی ہے۔ ہمارے ہاں ایک مثل مشہور ہے کہ "من حرامی حجتاں ڈھیر" یعنی اگر کسی کام کو جی نہ چاہے تو بیسیوں حجتیں نکال لی جاتی ہیں مگر ایسا بھی ہوتا ہے کہ عذر موجود ہو مگر دیکھنے والے کو نظر نہ آئے۔ دیکھا گیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام عصر کے وقت سیر کو تو چلے جاتے تھے مگر مسجد میں نہ آسکتے تھے۔ وجہ یہ کہ دل کی کمزوری کی وجہ سے دل کا دورہ ہو جاتا تھا۔ اس بیماری والا آدمی چل پھر تو سکتا ہے مگر مجمع میں بیٹھ نہیں سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ دل کی کمزوری کثرت کار کی وجہ سے تھی۔ اب بظاہر دیکھنے والا کہے گا کہ بیماری کا محض بہانہ ہے لیکن اگر اس قسم کی بیماری اسے ہو تو خود بیٹھ کر بھی نہیں بلکہ لیٹ کر نماز پڑھے گا پس ایسی حالتیں ہوتی ہیں۔ لیکن اگر کوئی بہانہ بناتا ہے تو یہ چالیس سال کی عمر کا بھی بنا سکتا ہے نوجوانی کی شرط نہیں ہے۔ ان باتوں کی اصلاح کا طریق یہی ہے کہ مسئلہ بیان کر دیا جائے۔ خدا تعالیٰ کی خشیت یاد دلائی جائے اور بتایا جائے کہ اسلام کے احکام بیگار اور چٹی کے طور پر نہیں بلکہ انسان ہی کے فائدے کے لئے ہیں اس لئے ان پر عمل کرنا چاہئے۔ ان باتوں کے باوجود اگر کوئی بہانہ بناتا ہے تو پھر وہ ہمارے بس کا نہیں۔ مگر بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک انسان سچا عذر رکھتا ہے مگر ہمیں وہ عذر نظر نہیں آتا اس لئے بدظنی نہیں کرنی چاہئے۔ میں نے

خود معمولی بیماری سمجھ کر ایک دفعہ روزے رکھے تو قریباً سارا سال بخار ہوتا رہا اور یہ سمجھا گیا کہ گُردوں میں نقص پیدا ہو گیا ہے۔ حضرت خلیفہ اول اس وقت مذاق کے طور پر فرماتے اور روزے رکھو۔ خود اپنا واقعہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول سناتے کہ ایک دفعہ آپ کو دست آنے کی تکلیف ہو گئی مگر پھر دست بند ہو گئے اس پر آپ نے روزے رکھنے شروع کر دیئے۔ کوئی تین چار دن ہی رکھے ہوں گے کہ معلوم ہوُا مردی کی قوت نہیں رہی اس کے لئے کئی قسم کی دوائیاں استعمال کی گئیں مگر کوئی فائدہ نہ ہوُا۔ آخر آپ نے دوائیاں چھوڑ دیں اور استغفار کیا تب جا کر فائدہ ہوُا۔ تو اصل طریق یہی ہے کہ وعظ و نصیحت سے لوگوں کو سمجھایا جائے پھر اگر کوئی شرارت کرتا ہے تو خدا تعالیٰ سے سزا پائے گا۔ لیکن اگر کوئی شرارت نہیں کرتا بلکہ جائز عذر رکھتا ہے تو ہمیں اس کے متعلق بدظنی کرنے کا گناہ ہو گا اور ہمیں اس بارے میں پوچھا جائے گا۔ پس ہمارے لئے بہترین صورت یہی ہے کہ اگر کوئی عذر پیش کرتا ہے تو سمجھیں کہ واقعی معذور ہے۔

یہ شریعت کا مسئلہ ہے جو میں نے پہلے بھی بیان کیا تھا اگر کوئی جان بوجھ کر روزہ نہیں رکھتا حالانکہ روزہ اس کے لئے فرض ہے تو خدا کے سامنے وہ جواب دہ ہو گا۔ ہم نے مسئلہ بیان کر دیا اور حقیقت کھول دی ہے۔ اب ہر ایک کا معاملہ خدا تعالیٰ سے ہے۔ اگر کوئی گناہ کرے گا تو سزا پائے گا اور اگر عمل کرے گا تو اجر پائے گا۔ پس میں جہاں ان لوگوں کو جن پر روزہ رکھنا فرض ہے اور جنہیں کوئی شرعی عذر پیش نہ ہو یہ نصیحت کروں گا کہ وہ ضرور روزہ رکھیں۔ وہاں یہ بھی کہوں گا کہ اگر کوئی اپنے آپ کو معذور ظاہر کرتا ہے تو اس کے متعلق بدظنی نہیں کرنی چاہئے بلکہ یہ دعا کرنی چاہئے کہ خدا تعالیٰ اس کے عذر کو دور کرے اور اسے روزہ رکھنے کی توفیق دے۔

میں اپنا ہی اس سال کا تجربہ بتاتا ہوں۔ جب روزے شروع ہوئے تو چونکہ مجھے کئی بیماریاں لگی ہوئی ہیں۔ میں نے اپنے جسم کے متعلق اندازہ کر کے دیکھا کہ کچھ روزے رکھ سکتا ہوں سارے نہیں۔ اور چونکہ مجھے طب کا بھی مطالعہ ہے اس لئے میں نے یہ اندازہ لگایا کہ دو روزے رکھ کر ایک چھوڑ دوں۔ کچھ دن میں نے اس پر عمل کیا اور میرا یہ اندازہ صحیح نکلا۔ اس کے بعد خیال آیا کہ تین دن روزہ رکھوں اور ایک دن نہ رکھوں۔ اس کے مطابق جب میں نے روزے رکھے تو تیسرے دن سر درد کا ایسا شدید دورہ ہوُا کہ ایک کی بجائے تین روزے

چھوڑنے پڑے۔ اس وقت میں نے سمجھا پہلا ہی اندازہ درست تھا۔ لیکن بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں جو جاری رہتی ہیں اور طبیعت کا جزو بن جاتی ہیں اس لئے وہ ایسی بیماریاں نہیں رہتیں کہ ان کی وجہ سے روزہ نہ رکھا جائے۔ ایسی ہی بیماریاں مجھے بھی ہیں اس لئے میں نے پہلے جو اندازہ لگایا وہ بالکل صحیح تھا اور جب میں نے اسے توڑا تو بجائے اس کے کہ زیادہ روزے رکھ سکتا اور کم ہو گئے۔ تو اپنی طبیعت کا انسان اندازہ لگا سکتا ہے۔ مگر جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ روزہ رکھنے سے کمزوری ہو جاتی ہے اس لئے روزہ نہیں رکھ سکتے یہ لغو بات ہے۔ روزہ تو ہے ہی اس لئے کہ نفس کو توڑا جائے۔ اور ایسا کون شخص ہو سکتا ہے جو روزے رکھ کر پہلوان بن جائے۔ روزہ سے ہر ایک کو کمزوری ہوتی ہے۔ پس کمزوری خواہ کتنی ہو یہ مرض نہیں ہاں اگر کوئی مرض ہو یا کسی مرض کے پیدا ہو جانے کا ڈر ہو تو روزہ چھوڑا جا سکتا ہے کمزوری کی وجہ سے چھوڑنا جائز نہیں۔ مگر کئی لوگ بیماری اور کمزوری میں فرق نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں روزہ رکھنے سے بڑا ضعف ہو جاتا ہے اس لئے نہیں رکھتے۔ اگر دل کا ضعف مراد ہے تو یہ بیماری ہے لیکن اگر جسم کی کمزوری مراد ہے تو یہ بیماری نہیں۔ روزہ رکھنے سے ایسا ہونا ضروری ہے۔ ہاں بڑھاپے کی حالت ہو تو اس وقت کی کمزوری خود بیماری ہوتی ہے۔ مگر جوان کی ایسی کمزوری عذر نہیں کیونکہ روزہ اس لئے نہیں رکھا جاتا کہ شربت کے گھونٹ انسان کے اندر جائیں اور وہ طاقتور بنے بلکہ اس لئے کہ اسے بھوک اور پیاس لگے اور اس کا لازمی نتیجہ کمزوری ہے۔

(الفضل ۱۶/ مارچ ۱۹۲۸ء)

۱۔ بخاری کتاب الاطعمۃ باب التسمیۃ علی الطعام والاکل بالیمین۔